”حکمت الٰہی یہی تھی کہ زیدؓ اپنی بیوی (حضرت زینبؓ) کو طلاق دے دیں اور
وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں جائے تا کہ
یہ ثابت ہو کہ قانون ملکی کے لحاظ سے اولاد قانون قدرت والی اولاد کی طرح نہیں ہوتی۔“

نبی اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام، اخلاص و وفا کے پیکر بدری صحابی رسولؐ حضرت زید بن حارثہ
رضی اللہ عنہ کی سیرتِ مبارکہ کا دل نشین تذکرہ

نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ام المومنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کی
مزید تفصیلات، اس بارے میں کمزور روایات سے متاثر
مستشرقین کے بے ہودہ الزامات کا تجزیہ اور ان الزامات کے مدلّل جوابات

عزیزہ مریم سلمان گُل کی وفات۔ مرحومہ کا ذکرِ خیر اور نمازِ جنازہ (حاضر)

خطبہ جمعہ سیّدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز
فرمودہ مورخہ 21/جون 2019ء بمطابق 21/احسان 1398 ہجری شمسی
بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد۔ (ٹلفورڈ، سرے)، یوکے

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔
أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

گذشتہ خطبہ میں مَیں حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے سے باتیں کر رہا تھا اور اس ضمن میں یہ بات ہوئی تھی کہ حضرت زینب بنت جحشؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد میں شادی ہوئی۔ اس حوالے سے میں نے کہا تھا کہ بعض مزید باتیں بیان ہونے والی ہیں۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کی عمر شادی کے وقت 35 سال کی تھی اور عرب کے حالات کے لحاظ سے یہ

عمر ایسی تھی جسے گویا ادھیڑ عمر ، بڑی عمر کہنا چاہیے۔حضرت زینبؓ ایک نہایت متقی اور پرہیز گار اور مخیر خاتون تھیں۔ چنانچہ باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں صرف زینب ہی وہ بیوی تھیں جو حضرت عائشہؓ کا مقابلہ کرتی تھیں اور ان کی ہمسری کا دم بھرتی تھیں۔حضرت عائشہؓ ان کے ذاتی تقویٰ اور طہارت کی بہت مداح تھیں اور اکثر کہا کرتی تھیں کہ میں نے زینبؓ سے زیادہ نیک عورت نہیں دیکھی اور یہ کہ وہ بہت متقی، بہت راست گو، بہت صلہ رحمی کرنے والی، بہت صدقہ وخیرات کرنے والی اور نیکی اور تقرب الٰہی کے اعمال میں نہایت سرگرم تھیں۔ بس اتنی بات تھی ان کی طبیعت ذرا تیز تھی مگر تیزی کے بعد وہ جلد ہی خود نادم ہو جایا کرتی تھیں۔صدقہ اور خیرات میں تو ان کا یہ مرتبہ تھا کہ حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اَسۡرَعُکُنَّ لِحَاقًا بِیۡ اَطۡوَلُکُنَّ یَدًا۔یعنی تم میں سے جو سب سے زیادہ لمبے ہاتھوں والی ہے وہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے فوت ہو کر میرے پاس پہنچے گی۔حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم نے اس سے ظاہری ہاتھ سمجھے اور اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تو تب جا کر ہم پر یہ راز کھلا کہ ہاتھ سے مراد صدقہ وخیرات کا ہاتھ تھا نہ کہ ظاہری ہاتھ۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ مزید لکھتے ہیں کہ جیسا کہ اندیشہ کیا جاتا تھا حضرت زینبؓ کی شادی پر منافقینِ مدینہ کی طرف سے بہت اعتراضات ہوئے اور انہوں نے برملا طور پر طعن کیے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے کی مطلقہ سے شادی کر کے گویا اپنی بہو کو اپنے اوپر حلال کر لیا ہے لیکن جب اس شادی کی غرض ہی عرب کی اس جاہلانہ رسم کو مٹانا تھی تو پھر ان طعنوں کا سننا بھی ضروری تھا۔اس جگہ یہ ذکر بھی ضروری ہے کہ ابنِ سعد اور طبری وغیرہ نے حضرت زینب بنت جحشؓ کی شادی کے متعلق ایک سراسر غلط اور بے بنیاد روایت نقل کی ہے اور چونکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات کے خلاف اعتراض کا موقع ملتا ہے اس لیے بعض مسیحی مؤرخین نے اس روایت کو نہایت ناگوار صورت دے کر اپنی کتب کی زینت بنایا ہے۔

روایت یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحشؓ کی شادی زید کے ساتھ کر دی تو اس کے بعد آپؐ کسی موقع پر زیدؓ کی تلاش میں ان کے مکان پر تشریف لے گئے۔ اس وقت

اتفاق سے زید بن حارثہؓ اپنے مکان پر نہیں تھے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے سے باہر کھڑے ہو کر زیدؓ کو آواز دی تو زینبؓ نے اندر سے جواب دیا کہ وہ مکان پر نہیں ہیں اور ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہچان کر وہ لپک کر اٹھیں اور عرض کیا یارسولؐ اللہ! میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ آپؐ اندر تشریف لے آئیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا اور واپس لوٹنے لگے۔

اب یہ راوی اس طرح کی روایت آگے لکھتے ہیں کہ مگر چونکہ حضرت زینبؓ گھبرا کر ایسی حالت میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں کہ ان کے بدن پر اوڑھنی نہیں تھی اور مکان کا دروازہ کھلا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ان پر پڑ گئی اور آپؐ نعوذ باللہ ان کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر یہ الفاظ گنگناتے ہوئے واپس لوٹ گئے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُصَرِّفِ الْقُلُوبِ۔ کہ پاک ہے وہ اللہ جو سب سے بڑائی والا ہے اور پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں لوگوں کے دل ہیں جدھر چاہتا ہے انہیں پھیر دیتا ہے۔ جب زید بن حارثہؓ واپس آئے تو زینبؓ نے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کا قصہ بیان کیا اور زیدؓ کے دریافت کرنے پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرماتے تھے۔ حضرت زینبؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بیان کیے اور کہا میں نے تو عرض کیا تھا کہ آپؐ اندر تشریف لے آئیں مگر آپؐ نے انکار فرمایا اور واپس تشریف لے گئے۔ یہ سن کر زیدؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گئے اور کہا یارسولؐ اللہ! شاید آپؐ کو زینب پسند آ گئی ہے۔ اگر آپؐ پسند فرمائیں تو میں اسے طلاق دے دیتا ہوں اور پھر آپؐ اس کے ساتھ شادی فرمالیں۔ آپؐ نے فرمایا زید! خدا کا تقویٰ کرو اور زینبؓ کو طلاق نہ دو۔ یہ روایت لکھنے والے پھر آگے اس طرح لکھتے ہیں کہ مگر اس کے بعد زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دے دی۔ یہ وہ روایت ہے جو ابنِ سعد اور طبری وغیرہ نے اس موقع پر بیان کی ہے اور گو اس روایت کی ایسی تشریح کی جا سکتی ہے جو چنداں قابلِ اعتراض نہیں، بالکل قابلِ اعتراض نہیں ہو گی مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ قصہ سر تا پا محض غلط اور جھوٹ ہے اور روایت و درایت ہر طرح سے اس کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے۔ روایتاً تو اس قدر جاننا کافی ہے کہ اس قصے کے راویوں میں زیادہ تر واقدی اور عبداللہ بن عامر اَسْلَمِی کا واسطہ آتا ہے اور یہ دونوں شخص محققین کے نزدیک بالکل ضعیف اور ناقابلِ اعتماد ہیں حتیٰ کہ واقدی تو اپنی کذب

بیانی اور دروغ بیانی میں ایسی شہرت رکھتا ہے کہ غالباً مسلمان کہلانے والے راویوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ اور اس کے مقابلہ میں وہ روایت جو ہم نے اختیار کی ہے جس میں زیدؓ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زینبؓ کی بدسلوکی کی شکایت کرنا بیان کیا گیا تھا، (وہ پچھلے خطبے میں بیان ہوئی تھی) اور اس کے مقابلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا گیا تھا کہ تم خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور طلاق نہ دو، یہ روایت جو ہے وہ بخاری کی روایت ہے جو دوست اور دشمن کے نزدیک قرآن شریف کے بعد اسلامی تاریخ کا صحیح ترین ریکارڈ سمجھی جاتی ہے اور جس کے خلاف کبھی کسی حرف گیر کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پس اصولِ روایت کی رو سے دونوں روایتوں کی قدر و قیمت ظاہر ہے۔

اسی طرح عقلاً بھی غور کیا جاوے تو ابنِ سعد وغیرہ کی روایت کے غلط ہونے میں کوئی شک نہیں رہتا کیونکہ جب یہ بات مسلّم ہے کہ زینبؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں حتیٰ کہ آپؐ ہی نے ان کے ولی بن کر زید بن حارثہؓ سے ان کی شادی کی تھی اور دوسری طرف اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں ہوسکتا کہ اب تک مسلمان عورتیں پردہ نہیں کرتی تھیں بلکہ پردہ کے متعلق ابتدائی حکم حضرت زینبؓ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے بعد نازل ہوئے تھے تو اس صورت میں یہ خیال کرنا کہ زینبؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، صرف اس وقت اتفاقی نظر پڑ گئی اور آپؐ ان پر فریفتہ ہوگئے ایک صریح اور بدیہی بطلان اور جھوٹ ہے اور اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ یقیناً اس سے پہلے آپؐ نے ہزاروں دفعہ زینب کو دیکھا ہوگا اور ان کے جسم کا حسن و قبح جو کچھ بھی تھا آپؐ پر عیاں تھا اور گو اوڑھنی کے ساتھ دیکھنا اور اوڑھنی کے بغیر دیکھنا کوئی فرق نہیں رکھتا لیکن جب رشتہ اس قدر قریب تھا اور پردے کی رسم بھی اور حکم بھی اس وقت شروع نہیں ہوا تھا اور ہر وقت کی میل ملاقات تھی تو اَغلب یہ ہے کہ آپؐ کو کئی دفعہ انہیں بغیر اوڑھنی کے دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا ہوگا اور زینبؓ کا آپؐ کو اندر تشریف لانے کے لیے عرض کرنا ظاہر کرتا ہے کہ اس وقت ان کے بدن پر اتنے کپڑے ضرور تھے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہونے کے لیے تیار تھیں۔ پس جس جہت سے بھی دیکھا جائے یہ قصہ ایک محض جھوٹا اور بناوٹی قصہ قرار پاتا ہے جس کے اندر کچھ بھی حقیقت نہیں اور اگر ان

دلائل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کامل درجہ مقدس اور زاہدانہ زندگی کو بھی مدنظر رکھا جائے جو آپؐ کی ہر حرکت وسکون سے واضح اور عیاں تھی تو پھر تو اس واہیات اور فضول روایت کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور یہی وجہ ہے کہ محققین نے اس قصے کو قطعی طور پر جھوٹا اور بناوٹی قرار دیا ہے۔مثلاً علامہ ابنِ حجر نے فتح الباری میں، علامہ ابنِ کثیر نے اپنی تفسیر میں، علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں وضاحت کے ساتھ اس روایت کو سراسر جھوٹا قرار دے کر اس کے ذکر تک کو صداقت کی ہتک سمجھا ہے اور یہی حال دوسرے محققین کا ہے۔اور محققین پر ہی بس نہیں بلکہ ہر شخص جسے تعصّب نے اندھا نہیں کر رکھا وہ اس بیان کو جو حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بھی لکھا ہے کہ ہم نے قرآن شریف اور احادیثِ صحیحہ کی بنا پر مرتب کر کے پیش کیا ہے اُس لچر اور ناقابلِ التفات قصے پر ترجیح دے گا جسے بعض منافقین نے اپنے پاس سے گھڑ کر روایت کیا اور مسلمان مؤرخین نے جن کا کام صرف ہر قسم کی روایات کو جمع کرنا تھا اسے بغیر کسی تحقیق کے اپنی تاریخ میں جگہ دے دی اور پھر بعض غیر مسلم مؤرخین نے مذہبی تعصب سے اندھا ہو کر اسے اپنی کتاب کی زینت بنایا۔

اس بناوٹی قصے کے ضمن میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے یہ اپنی سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھا ہے کہ یہ زمانہ اسلامی تاریخ کا وہ زمانہ تھا جبکہ منافقینِ مدینہ اپنے پورے زور میں تھے اور عبد اللہ بن ابی بن سلول کی سرکردگی میں ان کی طرف سے ایک باقاعدہ سازش اسلام اور بانیٔ اسلام کو بدنام کرنے کی جاری تھی اور ان کا یہ طریق تھا کہ جھوٹے اور بناوٹی قصے گھڑ گھڑ کر خفیہ خفیہ پھیلاتے رہتے تھے یا اصل بات تو کچھ ہوتی تھی اور وہ اسے کچھ کا کچھ رنگ دے کر اور اس کے ساتھ سو قسم کے جھوٹ شامل کر کے اس کی درپردہ اشاعت شروع کر دیتے تھے۔چنانچہ قرآن شریف کی سورۂ احزاب میں جس جگہ حضرت زینبؓ کی شادی کا ذکر ہے اس کے ساتھ ساتھ منافقینِ مدینہ کا بھی خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے اور ان کی شرارتوں کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا۔ (الاحزاب:61) یعنی اگر منافق لوگ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں جھوٹی اور فتنہ انگیز خبروں کی اشاعت کرنے والے لوگ اپنی ان کارروائیوں سے باز نہ آئے تو پھر اے نبی ہم تمہیں

ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کی اجازت دیں گے اور پھر یہ لوگ مدینہ میں نہیں ٹھہر سکیں گے مگر تھوڑا۔ اس آیت میں صریح طور پر اس قصہ کے جھوٹا ہونے کی طرف اصولی اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر جیسا کہ آگے چل کے ذکر آتا ہے اسی زمانہ کے قریب قریب حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان لگائے جانے کا بھی خطرناک واقعہ پیش آیا اور عبداللہ بن ابی اور اس کے بد دیانت ساتھیوں نے اس افترا کا اس قدر چرچا کیا اور ایسے ایسے رنگ دے کر اس کی اشاعت کی کہ مسلمانوں پر ان کا عرصہ عافیت تنگ ہو گیا اور بعض کمزور طبیعت اور ناواقف مسلمان بھی ان کے اس گندے پروپیگنڈا کا شکار ہو گئے۔ الغرض یہ زمانہ منافقوں کے خاص زور کا زمانہ تھا اور ان کا سب سے زیادہ دل پسند حربہ یہ تھا کہ جھوٹی اور گندی خبریں اڑا اڑا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے متعلقین کو بدنام کریں اور یہ خبریں ایسی ہوشیاری کے ساتھ پھیلائی جاتی تھیں کہ بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اکابر صحابہؓ کو تفصیلی علم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تردید کا موقع بھی نہیں ملتا تھا اور اندر ہی اندر ان کا زہر پھیلتا جاتا تھا۔ ایسی صورتوں میں بعض بعد میں آنے والے مسلمان جو زیادہ تحقیق اور تدقیق کے عادی نہیں تھے انہیں سچا سمجھ کر ان کی روایت شروع کر دیتے تھے اور اس طرح یہ روایتیں واقدی وغیرہ کی قسم کے مسلمانوں کے جو مجموعے تھے ان میں راہ پا گئیں مگر جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے صحیح احادیث میں ان کا نام ونشان تک نہیں پایا جاتا اور نہ محققین نے انہیں قبول کیا ہے۔

حضرت زینب بنت جحشؓ کے قصہ میں سر ولیم میور نے جن سے یقیناً ایک بہتر ذہنیت کی امید کی جاتی تھی واقدی کی غلط اور بناوٹی روایت کو قبول کرنے کے علاوہ اس موقع پر یہ دلآزار طعن بھی کیا ہے۔ وہ معترض تھا۔ ان سے تو یہی امید ہونی چاہیے تھی اور پھر جب حوالہ مسلمانوں کا مل جائے تو پھر ان کو مزید طعن کرنے کا بھی موقع مل جاتا ہے کہ گویا بڑھتی ہوئی عمر کے ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نفسانی خواہشات بھی ترقی کرتی جاتی تھیں (نعوذ باللہ) اور میور صاحب آپؐ کے حرم کی جو توسیع تھی، شادیوں میں اضافہ تھا اس کو میور صاحب اسی جذبے پر مبنی قرار دیتے ہیں۔ یہی کہتے ہیں کہ یہ نفسانی خواہشات تھیں، نعوذ باللہ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے لکھا ہے کہ میں بھی ایک مؤرخ کی حیثیت سے اس بات کو بغیر کسی مذہبی بحث میں پڑنے کے بیان کرتا ہوں مگر تاریخی واقعات کو ایک غلط راستے پر جب ڈالا جاتا ہے تو اسے دیکھ کر اس ناگوار اور غیر منصفانہ طریق کے خلاف آواز بلند کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ پس علاوہ

مذہبی جذبات کے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدس کے سوال کے، جس پر ایک حقیقی مسلمان اور ایک مومن تو اپنی جان بھی قربان کرسکتا ہے، عقلی اور تاریخی حقائق جو ہیں وہ بھی اس بیہودہ بات کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ بے شک یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں اور یہ بات بھی مسلمہ تاریخ کا حصہ ہے کہ علاوہ حضرت خدیجہؓ کے آپؐ کی ساری شادیاں اس زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں جسے بڑھاپے کا زمانہ کہا جاسکتا ہے مگر بغیر کسی تاریخی شہادت کے بلکہ واضح اور صریح تاریخی شہادت کے خلاف یہ خیال کرنا کہ آپ کی یہ شادیاں نعوذ باللہ جسمانی خواہشات کے جذبہ کے ماتحت تھیں ایک مؤرخ کی شان سے بہت بعید ہے اور ایک شریف انسان کی شان سے بھی بعید تر ہے۔ میور صاحب اس حقیقت سے بے خبر نہیں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ ادھیڑ عمر کی بیوہ عورت سے شادی کی اور پھر پچاس سال کی عمر تک اس رشتہ کو اس خوبی اور وفاداری کے ساتھ نباہا کہ جس کی نظیر نہیں ملتی اور اس کے بعد بھی آپؐ نے پچپن سال کی عمر تک عملاً صرف ایک بیوی رکھی اور یہ بیوی حضرت سودہؓ بھی حسنِ اتفاق سے ایک بیوہ اور ادھیڑ عمر کی خاتون تھیں اور اس تمام عرصہ میں جو جذباتِ نفسانی کے ہیجان کا مخصوص زمانہ ہے آپؐ کو کبھی دوسری شادی کا خیال نہیں آیا۔ میور صاحب اس تاریخی واقعہ سے بھی ہرگز ناواقف نہیں تھے کہ جب مکہ والوں نے آپؐ کی تبلیغی مساعی سے تنگ آکر اور ان کو اپنے قومی دین کا مخرّب (خراب کرنے والا) خیال کرکے آپؐ کے پاس عتبہ بن ربیعہ کو بطور ایک وفد کے بھیجا تھا اور آپؐ سے بڑی پُرزور استدعا کی درخواست کی تھی کہ آپؐ اپنی ان کوششوں سے رُک جائیں اور دولت اور ریاست کی طمع دینے کے علاوہ ایک یہ درخواست بھی پیش کی کہ اگر آپؐ کسی اچھی لڑکی کے ساتھ شادی کرکے ہم سے خوش ہوسکتے ہیں اور ہمارے دین کو برا بھلا کہنے اور اس نئے دین کی تبلیغ سے باز رہ سکتے ہیں تو آپؐ جس لڑکی کو پسند کریں ہم آپؐ کے ساتھ اس کی شادی کیے دیتے ہیں۔ اس وقت آپؐ کی عمر بھی کوئی ایسی زیادہ نہیں تھی پھر جسمانی طاقت بھی بعد کے زمانہ کی نسبت یقیناً بہتر حالت میں تھی مگر جو جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رؤسائے مکہ کے اس نمائندہ کو دیا وہ بھی تاریخ کا ایک کھلا ہوا ورق ہے جس کے دوہرانے کی، حضرت مرزا بشیر احمد

صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ضرورت نہیں ہے اور یہ تاریخی واقعہ بھی میور صاحب کی نظر سے اوجھل نہیں تھا کہ مکہ کے لوگ آپؐ کو آپؐ کی بعثت سے قبل یعنی چالیس سال کی عمر تک ایک بہترین اخلاق والا انسان سمجھتے تھے مگر باوجود ان سب شہادتوں کے میور صاحب کا یہ لکھنا کہ پچپن سال کی عمر کے بعد جب ایک طرف آپؐ کی جسمانی طاقتوں میں طبعاً انحطاط رونما ہونے لگا تھا اور دوسری طرف آپؐ کے مشاغل اور ذمہ داریاں اس قدر بڑھ گئیں جو ایک مصروف سے مصروف انسان کے مشاغل کو بھی شرماتی ہیں تو آپؐ عیش وعشرت میں مبتلا ہو گئے۔ یہ یقیناً ہرگز کوئی غیر متعصّبانہ ریمارک نہیں سمجھا جاسکتا۔ یقیناً یہ تعصّب سے بھرا ہوا ریمارک ہے۔ کہنے کو تو کوئی شخص جو کچھ بھی کہنا چاہے کہہ سکتا ہے اور اس کی زبان اور قلم کو روکنے کی دوسروں میں طاقت نہیں ہوتی مگر عقل مند آدمی کو چاہیے کہ کم از کم ایسی بات نہ کہے جسے دوسروں کی جو عقلِ سلیم ہے تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ میور صاحب اور ان کے ہم خیال لوگ اگر اپنی آنکھوں سے تعصّب کی پٹی اتار کر دیکھتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ محض یہ بات ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شادیاں آپؐ کے بڑھاپے کی عمر کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جسمانی اغراض کے ماتحت نہیں تھیں بلکہ ان کی تہ میں کوئی دوسری اغراض بھی مخفی تھیں خصوصاً جبکہ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آپؐ نے اپنی جوانی کے ایام ایک ایسی حالت میں گزارے جس کی وجہ سے آپؐ نے اپنوں اور بیگانوں سے امین کا خطاب پایا۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں اور ہر پڑھنے والے کے، تاریخ جاننے والے کے یقیناً یہی جذبات ہوتے ہیں کہ اس بات کے مطالعہ سے مجھے ایک روحانی سرور حاصل ہوتا ہے کہ آپؐ کی عمر کے جس زمانہ میں آپؐ کی یہ شادیاں ہوئیں وہ وہ زمانہ ہے جب کہ آپؐ پر آپؐ کے فرائضِ نبوت کا سب سے زیادہ بار تھا اور اپنی ان لاتعداد اور بھاری ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آپؐ بالکل محو ہو رہے تھے اور ہر انصاف پسند، شریف انسان کے نزدیک محض یہ منظر ہی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ آپؐ کی یہ شادیاں آپؐ کے فرائضِ نبوت کا حصہ تھیں جو آپؐ نے اپنی خانگی خوشی کو برباد کرتے ہوئے تبلیغ وتربیت کی اغراض کے ماتحت کی تھیں۔ ایک بُرا آدمی دوسرے کے افعال میں بری نیت تلاش کرتا ہے اور اپنی گندی حالت کی وجہ سے بسا اوقات دوسرے کی نیک نیت کو سمجھ بھی نہیں سکتا مگر ایک شریف انسان اس بات کو جانتا اور سمجھتا ہے کہ بسا اوقات ایک ہی فعل ہوتا ہے جسے ایک گندہ آدمی بری نیت سے کرتا ہے مگر اسی کو ایک

نیک آدمی نیک اور پاک نیت سے کرسکتا ہے اور کرتا ہے۔

پھر یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ اسلام میں شادی کی غرض یہ نہیں ہے کہ مرد اور عورت اپنی نفسانی خواہشات کے پورا کرنے کے لیے اکٹھے ہوسکیں بلکہ گونسلِ انسانی کے بقا کے لیے مرد وعورت کا اکٹھا ہونا نکاح کی ایک جائز غرض ہے مگر اس میں بہت سی اَور پاکیزہ اغراض بھی مدّنظر ہیں۔ پس ایک انسان کی شادیوں کی وجہ تلاش کرتے ہوئے، جس کی زندگی کا ہر حرکت اور سکون اس کی بےنفسی اور پاکیزگی پر ایک دلیل ہے، گندے آدمیوں کی طرح گندے خیالات کی طرف مائل ہونے لگنا اس شخص کو تو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جس کے متعلق یہ رائے لگائی جاتی ہے مگر رائے لگانے والے، دینے والے کے اپنے اندرونے کا آئینہ ضرور سمجھا جاسکتا ہے۔ مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ پس اس سے زیادہ اس اعتراض کے جواب میں، مَیں کچھ نہیں کہتا کہ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ کہ اللہ ہی ہے جس سے اس بات پر مدد مانگی جاسکتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 549 تا555)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی اس شادی اور نکاح کے حوالے سے ایک نکتہ اپنے ایک نکاح کے خطبہ میں بیان فرمایا تھا وہ بھی مَیں پڑھ دیتا ہوں۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کا نکاح زیدؓ سے کرایا۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ نہیں کیا ہوگا۔ دعائیں نہیں کی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ پر اتکال نہ کیا ہوگا۔ توکّل نہیں کیا ہوگا۔ یہ سب باتیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہوں گی۔ آپؐ نے استخارہ بھی کیا ہوگا۔ دعائیں بھی کی ہوں گی مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی کوشش کو بارآور نہیں کیا۔ آپؓ لکھتے ہیں یہ نکتہ بیان فرما رہے ہیں کہ اصل وجہ اس بات کی یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ یہ بات لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نرینہ اولاد نہیں ہے خواہ قانونِ قدرت والی اولاد ہو یا قانونِ ملکی والی، (جو بچے adopt کر لیتے ہیں وہ ملکی قانون کے تحت اولاد تصور ہوتی ہے۔) قانونِ قدرت کے مطابق تو آپؐ کی کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی مگر ملکی دستور اور اس وقت کے قانونِ شریعت کے مطابق آپؐ کی اولاد موجود تھی جیسا کہ زیدؓ تھے۔ لوگ انہیں ابنِ محمدؐ کہا کرتے تھے۔ حضرت زینبؓ کے نکاح کے واقعہ سے خدا تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اولاد وہی ہوتی ہے جو قانونِ قدرت کے مطابق ہو یعنی جسمانی اولاد ہو۔ قانونِ ملکی والی اولاد حقیقی اولاد نہیں

ہوتی۔ (جو adopt کیے ہوئے بچے ہوتے ہیں وہ بھی حقیقی اولاد نہیں ہوتی) اور نہ شریعت نے حقیقی اولاد کے لیے جو قوانین رکھے ہیں وہ دوسروں پر عائد ہوتے ہیں۔ اس بات کو قائم کرنے کے لیے واحد طریق یہی تھا کہ حضرت زیدؓ کی مطلقہ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نکاح فرماتے۔ اللہ تعالیٰ نے زیدؓ اور اس کی بیوی کے تفرقہ کو دور نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو دور ہوسکتا تھا لیکن نہیں دور ہونے دیا۔ باوجود اس کے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استخارہ بھی کیا تھا۔ دعائیں بھی کی تھیں۔ اللہ تعالیٰ پر اتکال کیا تھا۔ کوشش کی تھی، مگر حکمتِ الٰہی یہی تھی کہ زیدؓ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں جائے تا کہ یہ ثابت ہو کہ قانونِ ملکی کے لحاظ سے اولاد قانونِ قدرت والی اولاد کی طرح نہیں ہوتی۔ یہ بھی ایک نکتہ ہے جو اس شادی کی حکمت کے پیچھے آپؐ نے بیان فرمایا۔

(ماخوذ از خطباتِ محمودؓ جلد 3 صفحہ 390-391)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد شدہ غلاموں کے ساتھ جو برتاؤ تھا اس کے بارے میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھتے ہیں کہ

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق تھا کہ لوگوں کے پرانے خیالات کی اصلاح کی غرض سے آپؐ غلاموں اور آزاد شدہ غلاموں میں سے قابل لوگوں کی تعظیم وتکریم کا خیال دوسرے لوگوں کی نسبت بھی زیادہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے بہت سے موقعوں پر اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ اور ان کے لڑکے اسامہ بن زیدؓ کو جنگی مہموں میں امیر مقرر فرمایا اور بڑے بڑے صاحبِ عزت اور جلیل القدر صحابیوں کو ان کے ماتحت رکھا اور جب ناسمجھ لوگوں نے اپنے پرانے خیالات کی بنا پر آپؐ کے اس فعل پر اعتراض کیا تو آپؐ نے فرمایا ...... تم لوگوں نے اسامہؓ کے امیر بنائے جانے پر اعتراض کیا ہے اور اس سے پہلے تم اس کے باپ زیدؓ کی امارت پر بھی طعن کر چکے ہو مگر خدا کی قسم جس طرح زیدؓ امارت کا حق دار اور اہل تھا اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے تھا اسی طرح اسامہؓ بھی امارت کا اہل ہے اور میرے محبوب ترین لوگوں میں سے ہے۔

اس ارشادِ نبویؐ پر جو اسلام کی حقیقی مساوات کا حامل تھا صحابہ کی گردنیں جھک گئیں اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلام میں کسی شخص کا غلام یا غلام زادہ ہونا یا بظاہر کسی ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھنا اس کی ترقی کے رستہ میں حارج نہیں ہوسکتا، (کوئی روک نہیں بن سکتا) اور اصل معیار بہرصورت تقویٰ اور ذاتی قابلیت پر

مبنی ہے۔'' (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 683)

''پھر اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ آپؐ نے اپنی حقیقی پھوپھی کی لڑکی زینب بنت جحشؓ کو زید بن حارثہؓ سے بیاہ دیا اور عجیب کرشمہ یہ ہے کہ سارے قرآن میں اگر کسی صحابی کا نام مذکور ہوا ہے تو وہ یہی زید بن حارثہؓ ہیں۔''

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 398-399)

غلاموں کی اسلامی طریق پر آزادی کے بارے میں آپؓ مزید لکھتے ہیں کہ ''اسلامی طریق پر آزاد ہونے والے لوگوں میں ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی نظر آتی ہے جو ہر قسم کے میدان میں ترقی کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچے ہیں اور جنہوں نے مختلف شعبوں میں مسلمانوں میں لیڈر رہنے کا مرتبہ حاصل کیا ...... صحابہؓ میں زید بن حارثہؓ ایک آزاد شدہ غلام تھے مگر انہوں نے اتنی قابلیت پیدا کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قابلیت کی وجہ سے بہت سی اسلامی مہموں میں انہیں امیر العسکر'' (یعنی پورے لشکر کا امیر) ''مقرر فرمایا اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابی حتیٰ کہ خالد بن ولیدؓ جیسے کامیاب جرنیل بھی ان کی ماتحتی میں رکھے۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 403)

حضرت زیدؓ غزوۂ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ حضرت زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہر تیر اندازوں میں سے شمار ہوتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ مُرَیْسِیْع (یہ غزوۂ بنو مصطلق کا دوسرا نام ہے) جو سیرۃ الحلبیہ کے مطابق شعبان 5/ہجری میں ہوا تھا، اس کے لیے جانے لگے تو آپؐ نے حضرت زیدؓ کو مدینہ کا امیر مقرر فرمایا۔ حضرت سلمہ بن اکوعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی اور نو ایسے سرایا میں شامل ہوا (وہ جنگیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکروں میں شامل نہیں ہوئے تھے) جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر حضرت زید بن حارثہؓ کو امیرِ لشکر مقرر کیا تھا۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو جب بھی کسی لشکر کے ساتھ روانہ فرمایا تو ہر دفعہ اس لشکر کا امیر ہی مقرر فرمایا اور حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اگر حضرت زیدؓ بعد میں بھی زندہ رہتے تو آپؐ انہی کو امیر مقرر فرماتے۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 33 زید الحب بن حارثہؓ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1990ء)
(السیرۃ الحلبیہ جلد 2 صفحہ 377-378 باب غزوہ بنی المصطلق مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 2002ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ سیرت خاتم النبیینؐ میں غزوۂ سَفَوَانْ جسے غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہتے ہیں جو جمادی الآخر 2 ہجری میں ہوا۔ اس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ غزوۂ عُشَیْرَہ کے بعد "ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں تشریف لائے دس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ مکہ کے ایک رئیس کُرْز بِنْ جَابِر فِہْرِی نے قریش کے ایک دستے کے ساتھ کمال ہوشیاری سے مدینہ کی چراگاہ پر جو شہر سے صرف تین میل پر تھی اچانک حملہ کیا اور مسلمانوں کے اونٹ وغیرہ لوٹ کر چلتا ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ہوئی تو آپؐ فوراً زید بن حارثہؓ کو اپنے پیچھے امیر مقرر کر کے اور مہاجرین کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر اس کے تعاقب میں نکلے اور سَفَوَان تک جو بدر کے پاس ایک جگہ ہے اس کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۂ بدر الاولیٰ بھی کہتے ہیں۔"
(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 330)

جس کی پہلے وضاحت کی تھی اور جو غزوۂ عُشَیْرَۃ ہے اس کے بارے میں مختصر بتا دوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے بد ارادوں کی خبر ملی تو آپؐ یہ خبر سن کر مدینہ سے نکلے اور ساحلِ سمندر کے پاس عُشَیْرَۃ مقام تک پہنچے۔ گو قریش سے وہاں مقابلہ نہیں ہوا لیکن وہاں قبیلہ بنو مدلج کے ساتھ بعض شرائط پر آپس میں امن کا معاہدہ ہوا اور اس کے بعد آپؐ مدینہ تشریف لے آئے۔ تو عُشَیْرَۃ سمندر کے کنارے مقام تھا۔ وہاں آپؐ خبر سن کے گئے تھے کہ کافر وہاں جمع ہو رہے ہیں اور شاید فوج اکٹھی ہو رہی ہے تو آپؐ نے سوچا کہ وہیں باہر نکل کے ان کا مقابلہ کیا جائے لیکن بہرحال جنگ نہیں ہوئی اور اس سفر کا یہ فائدہ ہوا کہ ایک قبیلے سے آپؐ کا امن کا معاہدہ ہو گیا۔
(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 329)

غزوہ اور سَرِیَّہ کے بارے میں بھی یہ وضاحت کر دوں۔ بعضوں کو نہیں پتا ہو گا کہ غزوہ اسے کہتے ہیں جس مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوئے اور سَرِیّہ یا بعث اسے کہتے ہیں جس میں آپؐ شامل نہیں ہوئے۔ غزوہ اور سَرِیّہ دونوں میں یہ بھی واضح ہو جائے کہ تلوار کے جہاد کے لیے نکلنا ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ سفر جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی حالت میں شریک ہوئے ہوں وہ غزوہ کہلاتا ہے خواہ وہ خصوصیت سے لڑنے کی خاطر نہ بھی کیا گیا ہو لیکن بعد میں مجبوری سے جنگ کرنی پڑی ہو۔ اسی

طرح سَرِیّہ بھی ہے۔ پس ہر غزوہ اور سَرِیّہ لڑائی کی مہم کا ہی نہیں ہوتا۔غزوۂ عُشَیْرَۃ میں بھی جیسا کہ بیان ہوا کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 327)

جب جنگِ بدر ختم ہوگئی تو ''بدر سے روانہ ہوتے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہؓ کو مدینہ کی طرف روانہ فرمایا تا کہ وہ آگے آگے جا کر اہلِ مدینہ کو فتح کی خوشخبری پہنچاویں۔ چنانچہ انہوں نے آپؐ سے پہلے پہنچ کر مدینہ والوں کو فتح کی خبر پہنچائی جس سے مدینہ کے صحابہ کو اگر ایک طرف اسلام کی عظیم الشان فتح ہونے کے لحاظ سے کمال درجہ خوشی ہوئی تو اس لحاظ سے کسی قدر افسوس بھی ہوا کہ اس عظیم الشان جہاد کے ثواب سے وہ خود محروم رہے۔ اس خوشخبری نے اس غم کو بھی غلط کر دیا جو زید بن حارثہؓ کی آمد سے تھوڑی دیر قبل مسلمانانِ مدینہ کو عموماً اور حضرت عثمانؓ کو خصوصاً رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہنچا تھا جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے بیمار چھوڑ کر غزوۂ بدر کے لیے تشریف لے گئے تھے اور جن کی وجہ سے حضرت عثمانؓ بھی شریکِ غزوہ نہیں ہو سکے۔''

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 367)

حضرت زید بن حارثہؓ کے ایک سَرِیّہ جو جمادی الآخر سن 3/ہجری میں قَرَدَہ کے مقام کی طرف بھیجا گیا تھا، اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ

بَنُو سُلَیم اور بَنُو غَطْفَانُ کے حملوں سے کچھ فرصت ملی تو مسلمانوں کو ایک اور خطرہ کے سدِّباب کے لیے وطن سے نکلنا پڑا۔ اب تک قریش اپنی شمالی تجارت کے لیے عموماً حجاز کے ساحلی راستے سے شام کی طرف جاتے تھے لیکن اب انہوں نے یہ راستہ ترک کر دیا کیونکہ ......اس علاقہ کے قبائل مسلمانوں کے حلیف بن چکے تھے اور قریش کے لیے شرارت کا موقع کم تھا بلکہ ایسے حالات میں وہ اس ساحلی راستے کو خود اپنے لیے خطرے کا موجب سمجھتے تھے۔ بہرحال اب انہوں نے اس راستے کو ترک کر کے نجدی راستہ اختیار کر لیا جو عراق کو جاتا تھا اور جس کے آس پاس قریش کے حلیف اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے، پہلے رستے وہ تھے جن سے مسلمانوں کا معاہدہ ہوا تھا اور اس رستے پر جس کو قریش نے اختیار کیا وہاں ان کے اپنے معاہدے والے تھے اور وہ لوگ اور قبائل آباد تھے جو مسلمانوں کے بھی جانی دشمن تھے جو قبائل سُلَیم اور غَطَفَان تھے۔ چنانچہ جمادی الآخر کے مہینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع موصول

ہوئی کہ قریشِ مکہ کا ایک تجارتی قافلہ نجدی راستے سے گزرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قریش کے قافلوں کا ساحلی راستے سے گزرنا مسلمانوں کے لیے موجبِ خطرہ تھا تو نجدی راستے سے ان کا گزرنا ویسا ہی بلکہ اس سے بڑھ کر اندیشہ ناک تھا کیونکہ برخلاف ساحلی راستے کے اس راستے پر قریش کے حلیف آباد تھے جو قریش ہی کی طرح مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے اور جن کے ساتھ مل کر قریش بڑی آسانی کے ساتھ مدینہ میں خفیہ چھاپہ مار سکتے تھے یا کوئی شرارت کر سکتے تھے اور پھر قریش کو کمزور کرنے اور انہیں صلح جوئی کی طرف مائل کرنے کی غرض کے ماتحت بھی ضروری تھا کہ اس راستے پر بھی ان کے قافلوں کی روک تھام کی جاوے۔ اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کے ملتے ہی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کی سرداری میں اپنے صحابہ کا ایک دستہ روانہ فرما دیا۔

قریش کے اس تجارتی قافلے میں ابو سُفیان بن حَرْب اور صَفْوَان بن اُمَیَّہ جیسے رؤساء بھی موجود تھے۔ زیدؓ نے نہایت چستی اور ہوشیاری سے اپنے فرض کو ادا کیا اور نجد کے مقام قَرَدَہ میں ان دشمنانِ اسلام کو جا پکڑا اور اس اچانک حملہ سے گھبرا کر قریش کے لوگ قافلہ کے اموال اور جو بھی ان کا مال تھا اس کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور زید بن حارثہؓ اور ان کے ساتھی ایک کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ مدینہ میں کامیاب و کامران واپس آئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ قریش کے اس قافلہ کا راہبر ایک فرات نامی شخص تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوا اور مسلمان ہونے پر رہا کر دیا گیا لیکن دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف مشرکین کا جاسوس تھا مگر بعد میں مسلمان ہو کر مدینے میں ہجرت کر کے آ گیا۔
(ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 465-466)

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ حضرت زید بن حارثہؓ ایک سریے سے مدینہ واپس لوٹے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ حضرت زیدؓ آئے اور گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کا استقبال کیا اور انہیں گلے لگایا اور ان کا بوسہ لیا۔
(سنن الترمذی ابواب الاستئذان باب ما جاء فی المعانقۃ والقبلۃ حدیث 2732)

شعبان 5ہجری میں جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو مصطلق کی طرف روانہ ہونے کی تحریک فرمائی تو بعض روایات کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہؓ کو مدینہ کا امیر مقرر کیا۔ (ماخوذ از سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم اے صفحہ 558)

غزوۂ خندق کے دن مہاجرین کا جھنڈا بھی حضرت زید بن حارثہؓ کے پاس تھا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد دوم صفحہ 51 باب غزوہ رسول اللہ ﷺ الخندق مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1990ء)

یہ ذکر شاید ابھی کچھ مزید چلے۔

دوسرے اب میں ذکر کروں گا۔ یہ ایک افسوسناک خبر ہے۔ (جنازہ آ گیا ہوا ہے؟) عزیزہ مریم سلمان گُل جو مبارک احمد صدیقی صاحب کی بیٹی تھیں 17/ جون کو 25 سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔ چند روز قبل ہی ان کی بیماری کا پتہ چلا تھا۔ طبیعت زیادہ خراب ہونے پر ہسپتال داخل کرایا گیا لیکن اللہ تعالیٰ کی تقدیر غالب آئی، جانبر نہیں ہو سکیں۔ عزیزہ بچی کے بارے میں جو بھی ان کے ملنے والے ہیں انہوں نے یہی کہا ہے کہ بڑی ملنسار اور خوش اخلاق بچی تھیں۔ نمازوں کی بڑی پابند تھیں۔ ہمدرد اور خدمت گزار تھیں۔ خلافت سے بڑا محبت کا تعلق تھا اور مرحومہ نے والدین اور شوہر کے علاوہ اپنی یادگار دو بیٹیاں نایاب اور زرِیاب چھوڑی ہیں۔ نایاب پانچ سال کی ہے اور زرِیاب ڈیڑھ سال کی۔ لکھنے والے نے لکھا ہے کہ مریم سلمان صاحبہ کی والدہ گل مبارک صاحبہ کو پچھلے چھ ہفتوں میں تین صدمات دیکھنے پڑے یعنی گل مبارک صاحبہ کے ایک بھائی فوت ہوئے۔ پھر بہن پچھلے مہینے مئی میں ہوئیں اور اب ان کی بیٹی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئیں۔ خدا تعالیٰ ان کو صبر اور حوصلہ عطا فرمائے۔

مریم سلمان صاحبہ اپنی جماعت ایپسم (Epsom) کی سیکرٹری نومبائعات تھیں۔ بڑی خوش اخلاق، ہنس مکھ اور مستحق افراد کی باقاعدگی سے مدد کرنے والی تھیں۔ ان کے حلقہ کی صدر لجنہ کہتی ہیں کہ عزیزہ مریم سلمان سیکرٹری نومبائعات کے طور پر بہت اچھا اور مثالی کام کر رہی تھیں اور نئی احمدی ہونے والی خواتین سے ایسا پیار کا تعلق قائم رکھتی تھیں کہ نئی احمدی خاتون کو جماعت کے نظام سے خود بخود محبت ہو جاتی تھی۔ ایک نئی احمدی خاتون فریدہ نیلسن کہتی ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب میں پہلی بار میٹنگ پر گئی تو مجھے فکر تھی کہ میں خود کو الگ تھلگ محسوس کروں گی لیکن مجھے دیکھتے ہی مریم کے چہرے پر ایک بڑی مسکراہٹ آ گئی اور مسکراہٹ لیے میری طرف بڑھی۔ مجھے گلے لگایا اور سارا وقت میرے ساتھ بیٹھی رہی۔ پھر اس کے بعد بھی گھر میرے لیے چاکلیٹ کا تحفہ لے کے آئی اور مجھے جماعت کی اور خلافت کی برکات بتاتی رہی۔ اسی طرح ایک اور نئی احمدی خاتون نومبائعہ عندلیب صاحبہ ہیں۔ وہ بھی کہتی ہیں کہ میرے خیال میں ہر سیکرٹری نومبائعہ کو مریم کی طرح ہونا چاہیے کیونکہ مجھے یاد ہے کہ جب میری پہلی ملاقات مریم سے ہوئی تو وہ مجھے گلے

لگا کر اتنے پیار اور محبت سے ملی کہ مجھے لگا کہ مجھے ایک پیار کرنے والی بہن مل گئی ہے۔ وہ میرے گھر میں میرے لیے اور میرے بچوں کے لیے چھوٹے چھوٹے تحائف لے کر آتی تھیں۔ فون کے ذریعہ اور ملاقات کے ذریعہ ہر وقت مجھ سے رابطے میں رہتی تھیں۔ دوستوں اور لوگوں میں باتوں باتوں میں اکثر خلافت کی برکات اور نظام جماعت کے بارے میں بتاتی رہتی تھیں۔ نومبائعات کی بہترین دوست بنتی تھیں۔ ان کی مدد کرتی تھیں جس سے جماعت کے پروگراموں میں جانے کا شوق پڑ گیا اور اب یہ نومبائعہ کہتی ہیں کہ اس بچی کی تربیت کی وجہ سے، اب میں اس حلقے کی جنرل سیکرٹری بن چکی ہوں اور اپنی معمولی جیب خرچ سے بچت کر کے وہ خدمتِ خلق بھی کرتی رہتی تھی۔

عزیزہ مریم کے والد مبارک صدیقی صاحب لکھتے ہیں۔ بڑی باقاعدگی سے خطبات سنتی تھی۔ ہر کام میں دین کو دنیا پر مقدم رکھتی تھی۔ وفات سے ایک دو دن قبل مجلسِ شوریٰ تھی اور مریم آئی سی یو میں تھی اور میں نے اس سے کہا کہ میں لکھ کر شوریٰ نہ اٹنڈ (attend) کرنے کی اجازت لے لیتا ہوں لیکن مریم کہنے لگی کہ نہیں۔ آپ میری فکر نہ کریں اور میری وجہ سے جماعت کا پروگرام نہیں چھوڑنا اور شوریٰ میں شامل ہوں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہم نے یہی عہد کیا ہوا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھنا ہے۔ انگریزی نظمیں بھی لکھتی تھی اور ایک انگریزی نظم کا خلاصہ کچھ یہ ہے کہ جب بھی تم نیکی کا کوئی کام کرنا شروع کرو گے تو تمہیں بہت مشکلات آئیں گی اور لوگ تمہارے خلوص پر شک کریں گے۔ لوگوں کو اپنا کام کرنے دو اور تم اپنا نیکی کا کام کرتے جاؤ۔ اسی طرح انہوں نے خلافت پر ایک نظم اردو میں بھی لکھی تھی۔

سینٹ جارجز (St.Georges) ہسپتال لندن میں جہاں داخل تھیں وہاں ان کی جو نرس تھی وہ ایک جرمن عورت تھی۔ وہ کہتی ہے کہ مریم سے باتیں کر کے مجھے لگتا تھا کہ میں کسی فرشتے سے مل رہی ہوں۔ گرمیوں میں جب یہاں زیادہ گرمی ہوتی تھی تو اپنے فریج میں پانی کی بوتلیں رکھ دیتیں۔ پھر چھٹی والے دن بچیوں کے ساتھ باہر بیٹھ کے لوگوں کو پانی پلانے کے لیے اوپر لکھ دیتی تھیں کہ بغیر کسی قیمت کے مفت پانی ہے اور انگریز بہت سارے آتے تھے اور سٹال دیکھ کر رک جاتے تھے، چیزیں لیتے تھے۔ ایک انگریز عورت کا انہوں نے لکھا ہے کہ انہوں نے مریم سے پوچھا کہ یہ خیال تمہیں کیسے آیا کہ گھر کے باہر تم میز پہ یہ چیزیں پانی اور چاکلیٹ وغیرہ رکھ کے اوپر لکھ دیتی ہو کہ مفت ہے، لے جاؤ۔ کہنے لگی کہ بچوں

کوسکول سے ایک ہفتہ چھٹیاں ہیں اور میں نے بچوں کی تفریح کے لیے سارا ہفتہ ایسا ہی سٹال لگانا ہے۔ وہ انگریز کہنے لگی کہ میں تفریح اور سکون کے لیے بچوں پر ہزاروں پاؤنڈ خرچ کر کے دُور دراز لے کے جاتی ہوں اور مجھے سکون نہیں ملتا۔ مجھے علم نہیں تھا کہ اصل خوشی اس طرح گھر بیٹھے حاصل ہوسکتی ہے کہ لوگوں کی خدمت کی جائے۔

ہمیشہ سلام کرنے اور دوسروں کا حال پوچھنے میں پہل کرتی تھیں اور اگر کسی واقف کار سے یا اپنے محلے کے لوگوں سے کچھ دن بات نہ ہوتی تو میسج کر کے حال پوچھتیں۔ ایک یہ بھی خوبی تھی کہ ہمیشہ دوسروں میں اچھی باتیں تلاش کرتی تھیں اور پھر ان اچھی باتوں کو appreciate کرتی تھیں۔ ہمیشہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ پر بہت توکل کرنے والی اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بہت شکر کرنے والی بچی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور مغفرت کا سلوک فرمائے اور جس طرح اس بچی نے اپنے خدا سے امید رکھی تھی اللہ تعالیٰ اس سے بڑھ کر اس سے اپنے پیار کا سلوک فرمائے اور اپنے پیار کی آغوش میں لے لے۔ اس کے درجات بلند فرماتا رہے اور اس کی بچیوں کو بھی ہمیشہ اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے اور تمام وہ دعائیں جو اس نے اپنی بچیوں کے لیے کی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس کے والدین کو بھی صبر اور حوصلہ عطا فرمائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رضا پر کامل شرح صدر سے راضی ہوں اور اس کی بچیوں کی مثالی رنگ میں پرورش کرنے والے ہوں اور ان کی مدد کرنے والے ہوں۔ ان کے خاوند کو بھی بچیوں کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دینے والا بنائے۔ اللہ تعالیٰ درجات بلند فرماتا رہے۔

ابھی جمعہ کے بعد ان شاء اللہ عزیزہ مرحومہ بچی کا نماز جنازہ پڑھاؤں گا سب اس میں شامل ہوں۔ جنازہ مَیں باہر جا کر پڑھاؤں گا اور آپ لوگ جو اندر رہیں وہ یہیں اندر رہیں گے۔

(الفضل انٹرنیشنل 12/ جون 2019 صفحہ 5 تا 9)